UNIVERSAL LIBRARY
OU_226252
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—880—5-8-74—10,000.

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. Accession No. U 356

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

کتب خانہ شعبہ تاریخ

# جاہلیت عرب کے
## معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ
## کے قیام پر

از

**محمد حمید اللہ**

استاذ قانون جامعہ عثمانیہ

مجموعہ مقالات حیدرآباد اکاڈیمی نمبر (۵) سے منقول

مطبوعہ مطبع انتظامی حیدرآباد

سنہ ۱۳۶۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر

حامداً و مصلیاً

**تمہید** | خدائے تعالیٰ نے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود کم از کم انسانی دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے۔ اور مشیتِ ایزدی کا کوئی کرشمہ یہاں جب پوری طرح جلوہ گر ہو کر اپنا مظاہرہ دکھاتا ہے تو اس کے پس منظر میں اسباب و مسببات اور علل و معلولات کا ایک کثیر و طویل سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

مشیتِ ایزدی یہ ہوئی تھی کہ آب سے پورے پونے چودہ سو سال پہلے پرانی دنیا کے جغرافی مرکز (اور اس طرح نافِ زمین) یعنی مکہ معظمہ سے انسان و خدا کے تعلقات میں ایک نئی مرکزیت پیدا کرائے۔ اور عرب سے شروع ہو کر اسلام اقصائے عالم تک پہنچ جائے۔ عہدِ نبوی میں جو پہلی اسلامی مملکت قائم ہوئی اس کے بیسیوں اسباب تھے۔ اخلاقی بھی، سماجی بھی، سیاسی بھی، معاشی بھی۔ اور ظاہری طور پر اس تحریک کی کامیابی میں جہاں سرورِ کائنات پیغمبرِ اسلامؐ کی قابلیتوں اور کوششوں کو دخل تھا، ہیں ان آلوں اور ہتھیاروں میں بھی صلاحیت کی ضرورت تھی جن سے رسولِ کریمؐ کو کام لینا تھا۔ گیہوں سے روٹی بیشک بنتی ہے لیکن محض گیہوں سے نہیں۔ پہلے اسے کھیتی کرنا اور کھیت جوتنا ہوتا ہے پھر پیسنا۔ اور محض پیسنے سے بھی

سوکھے آٹے سے بھی روٹی نہیں بنتی۔ اسے بھگونا ڈال کر سینکنا بھی ہوتا ہے۔

پہلی مملکت اسلامیہ کو اگر ایک پکی پکائی روٹی سمجھا جا ... ر د ... یوں کو گیہوں تو اب یہ دیکھنا ہمارے لئے دلچسپی کا باعث ہو گا کہ اس گیہوں کو کھلا کس ... ح کیا گیا پچھوڑا کس طرح گیا، پیسا کس طرح گیا، چھانا کس طرح گیا، گوندھا کس طرح گیا، بیلا کس طرح گیا، بھونا، اُلٹا پلٹا اور پھر اکس طرح گیا۔ کتنا پانی ڈالا گیا، کتنی نمک ڈالی گئی۔ کتنی دیر کتنی تپش پر سینکا گیا کسی کونے کو داغ نہ لگنے دینے کے لئے کیا کیا احتیاطیں ملحوظ رہیں وغیرہ۔

پہلی مملکت اسلامیہ کے لئے ایک نئی دنیا نہیں پیدا کی گئی بلکہ موجودہ دنیا کے موجودہ لوگوں ہی کو ان کے موجودہ مروج طرز زندگی کے ساتھ مملکت اسلا... میں مبدل کیا گیا تھا۔ یہ لوگ اسلام سے پہلے بھی کھانا کھاتے، پانی پیتے، چلتے پھرتے ... تے، مرتے اور پیدا ہوتے تھے۔ اور اسلام کے بعد بھی ان امور میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کچھ چیزیں مثلاً بت پرستی، شراب خواری، سود خواری وغیرہ گھٹیں۔ کچھ چیزیں مثلاً نماز، روزہ، زکات بڑھیں۔ لیکن انسانی زندگی میں یہ سب جزئیات ہیں۔ انسان کی پیدائش کا طریقہ، زندگی گزارنے کا طریقہ اور مرنے کا طریقہ کبھی بدل نہ سکے۔ تصور حیات البتہ بدل دیا گیا۔ اس ایک تصور حیات کے بدلنے سے انسانوں کے افعال میں وہی فرق ہو گیا جو ایک رہزن ٹھگ کی خونریزی اور ایک سپاہی کے قتل و غارتگری میں ہوتا ہے کہ رہزن کو تو سماج کا بدترین مجرم اور سپاہی کو محسن اعظم ہیرو خیال کیا جاتا ہے۔ گو دونوں کرتے ایک ہی قسم کا کام ہیں۔ اس تصور حیات کے بدلنے سے پہلے کعبے کے سامنے سجدہ بدترین قسم کی بت پرستی اور جہالت تھی تو اب اسی کعبے کے سامنے سجدہ وحدانیت اور خدا پرستی کا اعلیٰ ترین مظاہرہ بن گیا۔

تصور حیات کی اس تبدیلی میں مختلف امور اثر دکھاتے ہیں۔ پہلے "کھاؤ پیو اور

مزے اڑاؤ ... عمال تھا ثواب اور تو اور کھانے پینے
کا مقصد بھی ... ن اور مفوضہ مشن کی تکمیل کے لئے صحت
و طاقت کے ... ساتھ ... ہے

اس لئے مقصد حیات کا تعلق نہ صرف روحانی زندگی سے تھا بلکہ دنیاوی زندگی سے بھی اور نہ صرف انفرادی زندگی سے تھا بلکہ اجتماعی زندگی سے بھی نہ صرف اپنی زندگی سے تھا بلکہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو اس نئے تصور سے بہرہ ور کرنے سے بھی

ان گونا گوں مقاصد کے لئے جہاں اور وسائل کے اختیار کرنے کی ضرورت تھی وہیں ایک مملکت کا قیام بھی درکار تھا تاکہ یہ بتایا جا سکے کہ اس جدید تصور حیات یعنی اسلام۔ یا خدا کی مرضی پر چلنے کے اصول کا اطلاق حکمرانی اور سیاست مدن پر کس طرح کیا جائے۔ جنگ و صلح، عدل گستری، محصول گیری، راعی و رعایا کے حقوق و واجبات، اجتماعی و انفرادی آزادیاں اور پابندیاں سب ہی میں ایک نئی مرکزیت، ایک نیا ولولہ، ایک نئی زندگی، ایک ہمہ جہتی اور بے پناہ انقلاب کس طرح برپا کر دیا جائے؟

کسی مملکت کے قیام کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہے لیکن اسی طرح جس طرح روٹی کے لئے گیہوں کی۔ پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام کے لئے جن نفسیاتی، سیاسی، سماجی، جغرافی، تمدنی، معاشی اور دیگر موثرات کی ضرورت تھی ان سب کی تفصیل طویل ہوگی۔ یہاں صرف ایک امر یعنی معاشی ضروریات کی تحلیل مقصود ہے۔ اور یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کا معاشی نظام کیا تھا اور اس نظام نے پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام میں کیا حصہ لیا؟

## عرب کے مختلف علاقے

اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اسلام سے پہلے عرب کے جزیرہ نمائے میں کبھی بھی ایک ملک گیر اور مرکزی حکومت قائم ہوئی ہو۔ اور

قریب قریب ہندوستان کے برابر وسعت رکھنے [illegible] اعظم میں تمدنی ترقی چوطرف یکساں بھی نہیں رہی۔ ربع خالی آج چودھویں [illegible] بھی [illegible] پڑا ہے، تو یمن وغیرہ میں حضرت مسیح سے بھی ہزاروں سال پہلے متمدن اور طاقتور حکومتوں کا پایا جانا ایک امر واقعہ ہے۔ کبھی کبھی خاصی وسیع سلطنتیں وجود میں آئیں مثلاً کندہ والوں نے حضرموت سے صراط جاماسب وغیرہ تک یعنی عرب کے جنوب سے شمال تک کچھ دنوں ایک حکومت قائم کرلی تھی لیکن حجاز وغیرہ کے وسیع علاقے اس سے آزاد رہے۔ بحرین، عمان وغیرہ کے ساحلی علاقے بھی خاصے قدیم زمانے سے [illegible] قبائل کی بجگہ حضری زندگی رکھنے والی بستیوں پر مشتمل نظر آتے ہیں۔

بہر حال آغاز اسلام پر صورت حال یہ دکھائی دیتی ہے کہ کوئی مرکزی مملکت عربی قوم یا ملک عرب میں نہ تھی۔ سینکڑوں قبیلے تھے جو نیم حضری اور نیم بدویانہ زندگی گزارتے ہوئے مکمل خود مختارانہ طور سے رہتے تھے۔ ہر قبیلہ جنگ کا خود اعلان کرسکتا تھا صلحنامہ خود طے کرسکتا تھا۔ اس کے خلاف کوئی بیرونی حاکم کسی طرح کا اختیار عاید نہ رکھتا تھا۔ ان قبائل کے علاوہ بیسیوں شہر بھی تھے۔ مکہ، مدینہ، طائف، ینبوع (حجاز میں) جرش، صنعاء، عدن، (یمن میں) صحار اور دبا (عمان میں) ہجر (بحرین میں) یمامہ، فید، (نجد میں)، دومۃ الجندل، خیبر، فدک، وادی القریٰ (شمالی عرب میں) ایلہ، مقنا (صحرائے سینا کے مشرقی ساحل پر) اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جاسکتی ہیں۔ یمامہ، یمن وغیرہ بعض علاقوں میں غلے کی کاشت ہوتی تھی اور آس پاس کے عربی علاقوں میں برآمد بھی ہوتی تھی۔ لیکن نہ اتنی کہ پورے ملک کی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ کھجور اور اونٹ بکریاں ایک حد تک بدویوں کی غذائی ضرورتیں پوری کردیتی تھیں۔ لیکن لباس، برتن، ہتھیار، زیور اور دیگر ضرورتوں کا سوال پھر بھی باقی رہتا ہے۔ صحرائے گوبی و ترکستان اور جرمنی کے کالے جنگل کی طرح عرب بھی تاحال نامعلوم وجوہ سے بڑا مردم خیز خطہ ہے۔

اور توالد و تناسل ۔۔۔ ذرائع معیشت سے اتنی کچھ زیادہ ہے کہ با
خانہ جنگیوں وغیرہ سے جلدی ہی زندگی آبادی کی کثرت سے اضافے کے باعث نا
برداشت ہو جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ چار ہزار سال قبل مسیح سے عرب مہاجرین کا واحد
خشکی کے راستے اپنی شمال سے پھیلنا اور عراق و شام اور مصر تک میں جا جا کر آباد ہونا
سب جانتے ہیں ۔ ہجرت کے باوجود بھی جو آبادی بچ رہتی ہے وہ بیرونی درآمد کی محتاج
ہوتی ہے ۔ قدرت نے عرب میں کچھ ایسے زیادہ خام مواد بھی نہیں مہیا کئے ہیں
اور نہ آب و ہوا کی عمدگی ہے کہ بیرون والے یہاں آئیں اور غلہ وغیرہ پہنچائیں ۔ مجبوراً
بیچارے عربوں ہی کو باہر جانا اور اپنی پونجی کے عوض ضروریات زندگی کا لانا ضروری تھا ۔
بحرین و عمان کا بلوچستان اور سندھ سے اتنا قریبی جغرافی تعلق ہے کہ یہ لوگ
ہندوستان اور ایران کے سوا کہیں اور جا نہیں سکتے ۔ حجازی عربوں کے متعلق قرآن
مجید کی شہادت رحلۃ الشتاء والصیف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر سال دو
مرتبہ جاڑوں اور گرمیوں میں کئی کئی ماہ کے سفر پر مجبور رہتے تھے ۔ جاڑوں میں یمن جاتے
اور گرمیوں میں شام و مصر ۔ اونٹ، بکریاں، اونٹوں اور بکریوں کی کھالیں اور اون،
گھوڑے، گوند، لوبان، روغن بلسان، عقیق وغیرہ کچھ قیمتی پتھر اور اسی طرح کی کچھ
چیزیں دساور کر سکتے تھے ۔ اور تبادلے میں غلہ، برتن اور ہتھیار اور کپڑوں کی درآمد ہو سکتی تھی ۔

عربوں کے دو بڑے حصے تھے اور بعض وقت ایک ہی قبیلے میں بھی یہ تقسیم نظر
آتی تھی کہ کچھ لوگ خانہ بدوش بدویانہ زندگی بسر کرتے ہیں تو کچھ بستیوں میں مستقل حضری
زندگی گزارتے ہیں ۔ بدویوں کی غذا کچھ تو شکار سے کچھ ان کے اونٹ بکریوں سے اور
کچھ شہروں میں لگنے والے میلوں میں تبادلۂ اشیا کرنے کے ذریعے سے مہیا ہوتی
تھی ۔ مزید برآں یہ کرائے پر حمل و نقل کا کام کرتے تھے ۔ لوٹ مار کی مہمیں بھی وقتاً فوقتاً اختیار
کی جاتی تھیں ۔ ول جلے ابن خلدون نے ان میں سے بعض کی حالت یوں بیان کی ہے کہ

اگر انہیں چولھے کیلئے پتھر درکار ہوتا تو کسی مکان کا پایہ کھود ڈالتے او ... نے کے لئے لکڑی درکار ہوتی تو مکان کی چھت توڑ ڈالتے۔

رہی شہری زندگی سو اس میں بھی بڑی حد تک تمام عرب میں یکسانی نظر آتی ہے۔ نخلستان چوطرف تھے۔ طائف، سوارقیہ وغیرہ میں انگور، انجیر، انار، شفتالو وغیرہ کے بکثرت باغ تھے۔ ۱۹۳۵ء میں طائف میں میں نے انجیر کا ایک پرانا درخت دیکھا جو یقین نہ آئے گا۔ ہمارے ہاں کے کسی پورے تناور پیپل یا بڑ کے درخت کے برابر اونچا اور پھیلا ہوا تھا۔ چشموں کے ساتھ ترکاری، تربوز، ککڑی وغیرہ کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ کہیں کہیں غلہ جو وغیرہ بھی بویا جاتا تھا۔ مرغیاں پالی جاتیں جسے کوئی ٹھیٹ بدوی آج چودھویں صدی میں بھی بڑا نفرت انگیز اور کمینہ کام سمجھتا ہے۔

ان مقامی وسائل کے بعد بھی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں تو مختلف میلوں، منڈیوں میں جا کر تبادلۂ اشیاء کرنا پڑتا۔ یہ کام سب ہی عربی شہر اور عربی قبیلے کرتے لیکن مکے کے قریشیوں نے اسے ایک فن سے بھی گزار کر ایک علم بنا دیا تھا۔

**مکے کے امتیازات شہری پر** عرب میں ہر جگہ بستیاں اور قریے تھے لیکن مکہ ام القریٰ (یعنی قریوں کی ماں) کہلاتا تھا۔

عرب کی ہر بستی میں معابد اور بت خانے تھے لیکن کعبے کے حج کے لئے جو لوگ آتے تھے ان میں بہ حیثیت عقیدہ کے سارے یمن کے لوگ بھی تھے، عمان کے لوگ بھی، بحرین کے لوگ بھی، طائف کے لوگ بھی، نجد کے لوگ بھی، طی اور کلب جیسے شمالی عرب کے لوگ بھی۔ عرب کی ہر بستی میں میلے لگتے تھے کہیں مقامی اور کہیں بین المقاماتی۔ چھوٹے ہاٹ ہفتہ وار لگتے۔ بڑے بین القبائل اور بین المقاماتی میلے سالانہ مقررہ ایام میں لگتے۔ لیکن جو اہمیت مکے کے عکاظ اور منی کے میلوں کو حاصل تھی وہ انتہائی غیر جانبدارانہ تحقیق و تلاش کے بعد بھی کسی اور میلے میں نظر نہیں آتی۔ عرب کی ہر بستی والے اپنے

کاروانوں کو باہر بھیجا کرتے تھے۔ لیکن لایلاف قریش کا مفہوم محمد بن حبیب یعقوبی وغیرہ کسی پرانے اور واقف کار شخص کی تالیف میں دیکھو تو معلوم ہوتا ہے قریش کے ایلاف یعنی معاہدات قیصر روم سے، کسرائے ایران سے، نجاشی حبش سے، اور اقیال یمن سے ہوئے اور ان حکمرانوں نے رسول کریم کے دادا ہاشم کو منشور اور اجازت نامے عطا کر رکھے تھے کہ ان کے علاقوں میں وہ تجارت کے لئے آزادانہ کاروان لایا کریں۔

عرب کی ہر بستی والے اپنے تجارتی کاروانوں کی حفاظت کے لئے کچھ تو خود ہتیار بند ہو کر بطور محافظ دستہ جاتے اور کچھ ان علاقوں کے جہاں سے انہیں گزرنا ہوتا، قبائل سے حلیفی اور دوستی پیدا کر لیتے لیکن قریشی کاروبار شمال، جنوب، مشرق، مغرب، سب طرف پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عراق بھی جاتے، یمن بھی، حبش بھی، شام بھی اور اندرون عرب بحرین وعمان، نجد وخیبر بھی۔ ان کا نظام ناگزیر وسیع ہونا چاہیئے۔ اور واقعہ بھی یہی تھا۔ انہوں نے ایک نوع قائمہ نوکر رکھ لی تھی جو تمام بدوی عرب میں اچھوتی چیز تھی۔ انہوں نے خفارے یا بدرقے کے ضروریات کے لئے معاہدات کا جو وسیع اور ملک گیر جال پھیلا دیا تھا اس کا ذکر ابن قتیبہ کے استاد محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) سے سنئے جو کہتا ہے کہ:۔

> "جو تاجر بھی یمن اور حجاز سے نکلتا تو وہ اس وقت تک قریشی خفارے یعنی محافظ دستے کا محتاج رہتا جب تک کہ وہ مضری قبائل کے علاقے میں رہے کیونکہ ایک مضری قبیلہ دوسرے مضری قبیلے کے تاجروں کو نہ ستاتا۔ مزید برآں مضریوں کی حلیفی جن جن قبائل سے تھی ان کے ہاں بھی ان کو امن رہتا۔ اور یہ "باہمی امن" کے اصول پر مبنی تھا۔ چنانچہ قبائل کلب ان کو مضری قبیلہ، بنو تمیم سے حلیفی کے باعث نہ ستاتے اور قبائل طئی بھی ان کو مضری قبیلہ بنو اسد سے حلیفی کے

باعث نہ چھیڑتے۔ اور مضری قبائل کہا کرتے تھے کہ قریش نے بار بار وہ قرض ادا کر دیا جو حضرت اسماعیلؑ سے ہم کو وراثۃً مذمت کی صورت میں ملا تھا۔ جب یہ آگے بڑھ کر عراقی سمت میں جاتے اور بنی عمرو بن مرثد سے خفارہ حاصل کر لیتے تو تمام قبائل ربیعہ میں وہ کافی ہوتا .... جو تاجر دومۃ الجندل جاتے ان کو بھی قریش ہی سے خفارہ حاصل کرنا ہوتا .... رابیہ جو حضر موت میں واقع ہے اگر وہاں جانا ہوتا تو قریش وہاں کے قبیلہ بنو آکل المرار سے خفارہ حاصل کرتے اور باقی لوگ آل مسروق سے لیکن قریشی حلیفی کے باعث آکل المرار نے غلبہ اور حکومت و سطوت حاصل کر لی اور سب کو زیر کر لیا۔"

کتاب المحبر ص ۲۶۳ تا ۲۶۴

اس دلچسپ اقتباس سے معلوم ہوگا کہ خفارہ جو ایک شے تھی بین الاقوامی تجارتی رہگزر کا مہیا کرتا تھا، عربوں کے ہاں ایک مستقل ادارہ بن گیا تھا جس کی قیمت مقرر تھی۔ عدنان و قحطان کے قبائل، مضر و ربیعہ کے قبائل سب اس میں داخل تھے۔ اور عملاً پورا عرب اس نظام میں منسلک ہو گیا تھا، جو قریشی مواصلات کے لئے ضروری تھا۔ قریش نہ صرف اس نظام اور سلسلۂ حلیفی سے خود فائدہ اٹھاتے بلکہ تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور کو بھی بخوشی معاوضہ لے کر اپنا خفارہ مہیا کرتے۔ اسی نظام کی برکت تھی کہ ہندوستان کا سامان عرب کی راہ یورپ پہنچ سکتا تھا۔ مگر خود یورپ کا حال عرب کے اس ہمعصر زمانے ہی میں نہیں بلکہ حال حال اٹھارویں صدی تک یہ تھا کہ سفینیں اور بیڑے تو کجا ہو کہ اسپین و پرتگال، تجارت پر قومی اجارہ داری ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اور طوفان زدہ مصیبت کا مارا تک اگر اسپینی مقبوضات میں پہنچتا تو وہ نہ صرف مال سے ہاتھ دھو بیٹھتا بلکہ جان سے جاتا یا کم از کم غلام بنتا کیونکہ اس کی ایک قسمت یہ مقرر تھی۔

قریش سے خفارے کے اغراض کے لئے حلیفیوں کی جو طرح ڈالی تھی وہ مختلف اصول پر مبنی ہوتی۔ کبھی تو باہم امن کی شرط کافی ہوتی۔ کبھی قریش یہ کرتے نظر آتے ہیں کہ کسی غریب قبیلے کا مال بطور کارندہ تجارت کے لئے لیجاتے اور کوئی کمیشن لئے بغیر نفع مالکوں کے سپرد کرتے۔ اور کبھی خفاروں پر نقد معاوضہ رقم یا جنس کی صورت میں دیتے بہت سے قبیلوں کا روزگار ہی اس خفارکاری سے نکلتا۔ وہ رہبر مہیا کرتے جو راستے میں چوکس اور سینہ سپر رہتے۔ اور عربوں ہی نہیں بلکہ حیرہ کے بادشاہ اور دیگر اجنبیوں کا تک مناسب معاوضہ لے کر "لطیمہ" یعنی تجارتی سامان منڈی تک بحفاظت لیجانے اور واپس لانے کا ذمہ لیتے اور یہ ذمہ داری علی العموم پوری ہوا کرتی ہوگی جبھی تو یہ ادارہ بقا و استحکام میں نظر آتا ہے۔

اسواق العرب پر محمد بن حبیب کی کتاب کا ایک اقتباس ہم ابھی سن چکے ہیں۔ اسی کتاب کا ایک اور اقتباس سننے کے قابل ہے، جس میں کہیں کہیں ایک ہم ماخذ مولف "مرزوقی" کے بیان سے تکملہ کیا گیا ہے:-

> "دومۃ الجندل میں جو شام و حجاز کے مابین ہے یکم ربیع الاول کو میلہ لگتا اور مہینہ بھر چلتا پھر برخاست ہو کر آئندہ سال اسی زمانے میں لگتا۔ (قریش مکے سے اس کے لئے جاتے)۔۔۔ پھر یہاں سے لوگ چل کر بحرین میں مشقر آتے جہاں یکم سے آخر جمادی الآخرۃ تک میلہ لگتا اور دومۃ الجندل کی طرح یہاں بھی مقامی حکمران کو عشر یعنی دس فیصد چنگی وصول ہوتی۔ ایران سے تک تاجر سامان لے کر یہاں آتے۔ اس کے بعد یہاں سے یکم رجب کو چلتے تو عمان کے شہر صُحار کو آتے آتے بیس دن لگتے اور جو پہلے نہ آسکے ہوتے وہ اب آتے اور یہاں پانچ دن تک میلہ لگتا۔ یہاں کا عشر بادشاہ جُلَندی کو

ملتا۔ اس کے بعد دبا کا میلہ رجب کے آخر میں لگتا۔ یہ عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھا۔ یہاں سندھ اور ہند اور چین اور مشرق اور مغرب سے لوگ آیا کرتے۔ اور خشکی اور سمندر سے سامان لاتے۔ یہاں کا عُشر بھی بادشاہ جلندی کو ملتا۔ اس کے بعد مہرہ کے شہر شحر میں ــــ جو آج کل ہمارے سلطان مُکلّا وشحر کے علاقے میں ہے ــــ وسط شعبان سے میلہ لگتا۔ جہاں بری اور بحری تاجر سب دبا سے چل کر آتے یہاں کھالیں، کپڑے وغیرہ فروخت کئے جاتے۔ اور ایلوہ، لوبان وغیرہ جو مقامی پیداوار تھے خرید کئے جاتے۔ پھر عدن میں یکم رمضان سے بیس دن میلا لگتا۔ یہاں بڑا اچھا انتظام تھا۔ کسی محافظ دستے کی یہاں ضرورت نہ رہتی تھی۔ یہاں کا عُشر ایرانی نوآبادکار افسر لے لیتے۔ یہاں سمندری راہ سے آنے والے لوگ جو دبا اور مہرہ آتے وہ نہ آتے بجز اس کے کہ کسی کے پاس کچھ سامان بچ رہا ہو اور اس سے پہلے کے میلوں میں اسے شرکت کا موقع نہ ملا ہو۔ عدن میں جو عطر بنتا اس کی دور دور تک شہرت تھی۔ سمندری راہ سے آنے والے تک اسے بطور تحفہ سندھ اور ہند تک لیجاتے اور اس پر فخر کیا جاتا۔ اور خشکی کی راہ آنے والے اسے ایران و رُوم تک لیجاتے ــــ (عطر سازی کے متعلق مرزوقی نے ۴۵۳ھ کی تالیف میں لکھا ہے کہ اس وقت تک وہ صنعت وہاں کمال پر ہے)۔ عدن کے بعد صنعار کا میلہ تھا جو وسط سے آخر رمضان تک ہر سال لگتا۔ یہاں روئی، زعفران، مختلف قسم کے رنگ لوہے وغیرہ

## عرب کے میلوں
## کی
## ترتیب زمانی و مکانی

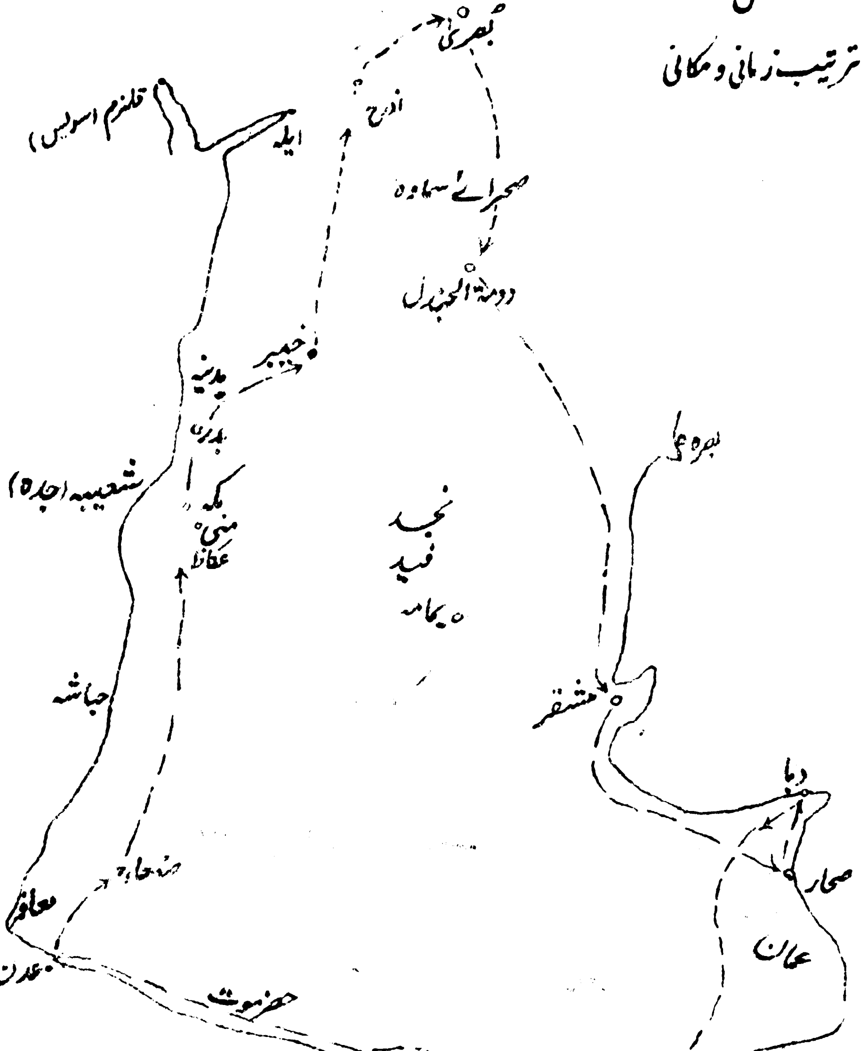

کے سامان بکتے۔ یہاں کا عشر بھی ایرانی حکمران افسر لیتے۔ ان مختلف میلوں میں لوگ وہ سامان خریدتے جن کی ان کے اپنے ملکوں میں مانگ ہوتی۔ اس کے بعد رابیہ واقع حضرموت اور عکاظ قریب عرفات و مکہ میں بیک وقت وسط ذیقعدہ سے آخر ماہ تک میلہ لگتا۔ کچھ لوگ عکاظ آتے اور کچھ رابیہ جاتے۔ عکاظ کے قریب ذی المجاز ہے چنانچہ عکاظ کے بعد یکم ذی حجہ سے دس دن ذی المجاز میں میلہ لگتا پھر منیٰ میں جو مکے کے مضافات میں ہے، حج کے سلسلہ میں میلہ جمتا یہاں سے فارغ ہونے کے بعد لوگ خیبر یا یمامہ جاتے جہاں محرم کی دسویں سے میلے لگتے اس کے بعد جنوبی فلسطین میں بصریٰ اور اذرعات کے میلے لگتے۔" [دیکھئے نقشہ صفحہ گزشتہ پر]

اس اقتباس سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کس طرح شمال سے مشرق، مشرق سے جنوب، جنوب سے مغرب اور مغرب سے شمال، غرض پورے عرب کا سال بھر میں دورہ ہو جاتا ہے۔ کس طرح پورے عرب میں سیاسی تو نہیں لیکن معاشی وفاق قائم ہو گیا تھا۔ کس طرح ان میں ایک رابطہ و نظم پیدا ہو گیا تھا اور اگرچہ ہر جگہ مقامی خود مختاری اور محصول گیری وغیرہ رائج تھی لیکن پھر بھی کس طرح خفارہ کے نظام اور میلوں میں حفاظت کے انتظام وغیرہ نے مرکز گریز اور افتراق پسند رجحانوں میں بھی ایک یکجہتی اور مرکزیت پیدا کر دی تھی۔

اوپر عکاظ کے میلے کی کچھ اہمیت ہم نے بیان کی کہ وہاں کس کس حصے سے لوگ آتے تھے۔ ہمارے مؤلفوں نے ایک اور اہم بات بھی بیان کی ہے کہ عکاظ میں عام نگرانی اور جھگڑوں کا فیصلہ، نیز اس کے بعد ہی ہونے والا موسم حج، قبیلۂ تمیم کے اہتمام میں ہوتا۔ قمری سال کو کبیسہ گری کے ذریعے سے فصلی شمسی سال بنانا بھی قبیلۂ تمیم کے قلمس کا فرض تھا

جو مکہ معظمہ میں کعبے کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا اعلان کرتا ۔ قبیلہ تمیم عرب کے انتہائی مشرق میں رہتا تھا اور عکاظ و مکہ انتہائی مغرب میں ہیں ۔ حج کے زمانے میں مختلف فرائض مختلف قبائل میں چلے آتے تھے ۔ علاوہ بنو تمیم کے آل صفوان' اجازہ یعنی عرفات سے روانگی کا حکم دینا بطور موروثی حق کے استعمال کرتے تھے ۔ کعبے کے اطراف جو تین سو ساٹھ بت تھے وہ عرب کے ہر حصے کے قبائل کے معبود تھے ۔ ان میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریمؑ کے بھی کہتے ہیں کہ بت تھے ۔ کیا یہ سب کعبے کی مرکزیت اور مکے اور قریش کی خاموش مرجعیت پر دلالت نہیں کرتے؟

ان میلوں کے ساتھ ساتھ اشہر حرم یعنی محفوظ و محترم مہینوں کا ادارہ بھی قابل لحاظ اہمیت رکھتا ہے ۔ نہ معلوم یہ عرب میں کیسے آیا اور کب سے رائج تھا ۔ بہر حال حروب صلیبیہ کے زمانے میں فلسطین وغیرہ کے مسلمان عربوں سے اخذ کر کے یورپ نے عیسائی یورپ کے تاراج کو کم کرنے کی اسی طرح کی ایک ناکام کوشش کی تھی جو خدائی امن ( Truce of God ) کے نام سے مشہور ہے ۔ عربوں کا نظام زمانۂ جاہلیت میں یوں تھا کہ ذی قعدہ' ذی حجہ اور محرم کے مسلسل تین مہینے اور رجب کا ایک مہینہ محترم و محفوظ سمجھے جاتے ۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں "رجب مضر" کا جملہ آیا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبائل ربیعہ کا بھی کوئی الگ زمانہ محفوظ مہینوں کا ہوتا ہوگا ۔ اوپر پڑھی ہوئی باتوں کی یاد تازہ کی جائے گی تو نظر آئے گا کہ رجب میں صحار اور دبا کے اہم میلے لگتے' جہاں خود رسالت مآب صلعم کے نبوت سے پہلا جانے اور طویل مدت گزارنے کا مسند احمد بن حنبل میں اشارہ ملتا ہے ۔ اور ذی قعدہ' ذی حجہ اور محرم میں عکاظ' منیٰ' خیبر' اور یمامہ کے زبردست اجتماع ہوتے ۔ یمامہ کا غلہ مکے تک آتا ۔ ذی حجہ کا مکہ معظمہ میں حج اور منیٰ کا میلہ خاص کر خوش نصیب تھے کہ دور دراز کے لوگوں کو پورے تین مہینے امن کا یقین رہتا کہ جا کر واپس آنے تک چاہے وہ عرب کے

کسی حصے سے مکے تک کیوں نہ ہو کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ ذی حجہ کے علاوہ اس سے ایک مہینہ پہلے اور ایک مہینہ بعد بھی حرام زمانہ رہتا جو عرب کے بعید ترین گوشوں سے آنے اور واپس جانے کے لئے کافی تھا۔ اس نے ناگزیر محافظین کعبہ یعنی قریش کی جو عظمت تمام عرب کے ذہنوں پر نقش کر دی ہو گی وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ سیرۃ ابن ہشام کے مطابق اشہر حرم کے ساتھ ایک ادارہ نسئ بھی تھا جس کے تحت قریش کے چند خاندانوں کو پورے عرب میں تین مہینے نہیں بلکہ مسلسل آٹھ مہینے محفوظ و مامون حالت میں ملتے۔

**اس نظام کا اثر** تمام عرب سے لوگوں کا مکہ آنا اور مکے والوں کا عرب اور عرب کے باہر عراق و شام اور مصر و حبشہ تک مسلسل آیا جایا کرنا۔ اس کے اثرات پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہی ہو گا۔ اس نے پورے عرب کی مختلف علاقہ وار بولیوں میں قربت پیدا کر کے ایک مشترکہ معیاری بولی پیدا کرنے میں حصہ لیا ہو گا۔ اس نے عربوں میں احساس یگانگی کو تقویت دی ہو گی۔ اس نے تمام عرب کے رسم و رواج اور اخلاق و عادات میں مماثلت پیدا کی ہو گی۔ اس نے ان میں محنت پسندی اور کوچ کی عادت اور تمام دنیا کو اپنا وطن سمجھنے کا میلان پیدا کیا ہو گا۔ اس نے ان کو عراق، شام اور مصر کی خاص کر عراقی اور حبشی حالت سے واقف کرا دیا ہو گا جس کے باعث عہد نبوی اور خلافت راشدہ کی فاتحانہ پیش قدمی کسی اجنبی امداد کی محتاج نہ رہی ہو گی۔ اسی نے بیرونی خاص کر متمدن ممالک کے آئے دن کے سفر سے ان میں روشن خیالی، جذبات اور امنگیں پیدا کی ہوں گی۔ ایرانی اور رومی دونوں ان کے ساتھ سخت بدسلوکی کرتے تھے۔ خاص کر رومی علاقوں میں عرب کے کاروان کی جب سختی سے جھڑتی لی جاتی اور ان کے ساتھ جرائم پیشہ اقوام سمجھ کر جو توہین اور درشتی کا سلوک کیا جاتا اور جس طرح ان کے لئے مختلف علاقے مقرر کر دئے جاتے تھے ان کے سوا وہ شام و فلسطین میں کہیں اور نہ جائیں، اور سامان مقرر کر دئے جاتے تھے جن کے سوا وہ کوئی اور چیزیں خرید کر نہ لے جا سکیں۔

ان پر شدید محصول چنگی عائد کئے جاتے وغیرہ وغیرہ، تو ان چیزوں کا اثر حساس دماغوں اور سوچنے والے ذہنوں پر جو کچھ پڑ سکتا ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایرانی بد سلوکیاں بھی کم نہ تھیں۔ ذی قار کے معرکے میں چند عرب قبائل نے ایرانی لشکر کو ایک دفعہ شکست دی تو اس کے متعلق خود جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا تھا کہ اس دن پہلی مرتبہ عربوں نے ایرانیوں سے بدلہ لینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ متاخر کسرایانِ ایران کی عرب کُش سیاست نے ایرانیائے ہوئے حیرہ کے عربوں اور شیبانیوں کو بھی ایران کا جانی دشمن بنا دیا تھا۔ اور زیادہ تر انہیں عربوں نے تاجِ کیانی کو مدینے کی گلی کوچوں میں لا لٹکایا تھا۔

**اسلام کی آمد**

عرب کے معاشی نظام کی یہ عام کیفیت تھی کہ ربیع الاول سنہ میں تاریخ عالم کا ایک اہم اور عہد آفریں واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ تیرہ سال تک بے غرضانہ ایثار اور رضاکارانہ زحمت کشی کے ذریعے سے اہل مکہ کی اخلاقی و دینی اصلاح کی جو کوشش انہیں کے ایک ہم وطن یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے، اس کا انجام یہ نکلا کہ بیسیوں ساتھی مال و عیال کو چھوڑ کر بیک بینی و دو گوش ترک وطن کو غنیمت سمجھ چکے تھے اور خود اس بے غرض مصلح کو جان کے لالے پڑے تو ہزاروں سختیاں جھیلتے، نامانوس اور دشوار گزار راستوں سے چلتے، وطن سے سینکڑوں میل دور مدینہ چلا آنا پڑا تھا۔ قریش مکہ نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ ایک تو جلا وطن مسلمانوں کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ پر مکے میں غاصبانہ قبضہ جما لیا، دوسرے اپنے معاشی اثرات کے زور سے اہل مدینہ کو دھمکا کر لکھ بھیجا کہ آنحضرت صلعم کو اپنے ہاں سے نکال دیں ورنہ وہ ان کو سزا دینے کے لئے مدینے پر حملہ کرنے کا انتظام کرنے لگے حتیٰ کہ ہجرت کے اس ابتدائی زمانے میں تارکین وطن مسلمان نہایت بے سروسامان ہو گئے تھے۔

مدینہ آنے کے چند ہی ہفتوں کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہر کی کایا پلٹ ہوگئی۔ یہاں کی قدیم آبادی میں جو خانہ جنگی اور چوکھا لڑائی ہو رہی تھی وہ ختم ہوگئی۔ مہاجرین مکہ، مسلمانانِ مدینہ، مدینے کے غیر مسلم عرب اور یہودی قبائل ــــ ان چاروں عناصر نے ایک وفاقی شہری مملکت قائم کی جس کا تحریری دستور خوش قسمتی سے ہم تک محفوظا چلا آیا ہے۔ باون دفعات کے اس وفاقی دستور میں آخری اختیار سماعت مرافعہ، اور اعلیٰ اختیارات جنگ وصلح دونوں امور جناب رسالت مآب صلعم کو دیدینے پر سبھوں نے اتفاق کیا اور اس پر بھی سب راضی ہوگئے کہ قریش سے نہ تو کوئی تعلقات رکھے جائیں اور نہ انھیں یا ان کے دوستوں کو کوئی مدد یا حفاظت مہیا کی جائے۔ اس سلسلے میں یہ امر شاید درخور التفات سمجھا جائے گا کہ اس زمانے میں جب یہود نہ صرف مدینے کے مقامی کاروبار پر چھائے ہوئے تھے بلکہ شام سے یمن و عمان تک ان کی نوآبادیوں کا ایک زنجیرہ پڑا ہوا تھا اور بین الیہود باہمی تعاون خاصا مستحکم تھا تو مدینے کے یہودیوں سے اشتراک عمل نوخیز اسلامی مملکت کے لئے کم از کم یہ فائدہ ضرور رکھتا تھا کہ یہ معاشی قوت اس ابتدائی بے کسی کے زمانے میں مخالف پلڑے میں نہیں داخل ہوگئی۔ گھر سے فراغت ہوتے ہی آنحضرتؐ مدینے سے ینبوع کا کئی بار سفر فرماتے ہیں اور ان مختلف قبائل سے جو اس راستے پر بستے تھے یا تو حلیفی کے نئے معاہدے کرتے ہیں یا اہلِ مدینہ کے ان کے ساتھ جو قدیم معاہدے تھے اُن کی تجدید عمل میں لاتے ہیں۔ ایسے بعض معاہدوں میں مدامی فوجی حلیفی اور باہمی امداد کا ذکر ہے۔ اور بعض میں باہم دوستی اور ایک کی جنگ میں دوسرے کی غیر جانبداری اور دشمن کو مدد نہ دینے کا حکم ہے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک معاشی قصہ ہے۔ قریش کا شام، مصر اور عراق جانے والا راستہ مدینے اور ینبوع کے بیچ میں سے ساحل کے کنارے کنارے

گزرتا تھا۔ قریشی مواصلات تجارت اور روزگار کی یہ شہ رگ اب بیک جنبشِ لب کٹ گئی اور اُدھر سے قریشی کاروانوں کا جانا بند کردیا گیا۔ قریش نے تھوڑی سی کشمکش کی۔ بدر اُحد اور خندق کے معرکے پیش آئے لیکن قریش کے رحلۃ الشتاء کا شمالی راستہ کھلنا تو کیا اس کے لئے نجد وغیرہ سے ہوکر جانے والے نئے نوساختہ راستے بھی بند ہی ہوتے چلے گئے۔ قریش کی تجارت مفلوج ہوئی تو وہ بیسیوں قبائل جو انہیں کے کاروبار پر پل رہے تھے، خواہی نخواہی قریش سے ٹوٹ کر مدینے سے جڑنے پر مجبور ہوتے چلے گئے اور تاریخوں میں صراحت سے ایسے نظائر کا ذکر آیا ہے۔ آنحضرتؐ کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں بلکہ بالکل محفوظ رکھ کر بے بس اور مغلوب کردینے پر مشتمل تھی۔ پانچ چھے ہی سال کی کوشش میں مکے کے شمال، مکے کے مشرق بلکہ مکے کے جنوب کے قبائل بھی اسلام کے زیرنگیں بنا لئے گئے۔ اور جب یہ گھیرا مکمل ہوگیا تو بجائے شرائط منوانے کے آنحضرت صلعم نے قریش کی مُنہ مانگی شرطیں حدیبیہ میں منظور کیں۔ یہ سیاست کاری کا شہ کار تھا۔ قریش کا چڑھتا ہوا جوش اور بخار اس صلح کے سیفٹی والف ( Safety valve ) سے خارج ہوگیا۔ عین اس لمحے خیبر کے یہودیوں اور مکے کے قریشیوں میں اتحاد ہوکر ایک نئے طاقتور محاصرۂ مدینہ کی جو تجویز تیار ہوچلی تھی وہ روک دی گئی۔ کیونکہ قریش نے اپنی مُنہ مانگی شرطوں کے ملنے اور تجارت کا شمالی راستہ کھلنے پر وعدہ کیا تھا کہ وہ دس سال تک آنحضرتؐ سے نہ تو خود جنگ کریں گے اور نہ کسی اور کو کوئی خفیہ یا علانیہ مدد دیں گے۔ بلکہ مسلمانوں کی جنگوں میں کامل غیر جانبدار رہیں گے۔ اسی صلح سے آنحضرت صلعم کو یہ فائدہ ہوا کہ خارجہ سیاست کے لئے ہاتھ کھل گئے۔ خطرے کے مرکز خیبر کو مہینے بھر میں ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔ نینوہ میں رومیوں کو ایران پر جو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی تھی اس سے فائدہ اُٹھا کر بحرین، عمان، وغیرہ کا ایران سے انقطاع

اور مدینے سے الحاق کرا لیا اور قریش کے رہے سہے وسائل اور رفیق ان سے بچھڑا دیئے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو اور سال گزرے اور قریش نے ایک چھوٹا سا قصور کر کے معاہدہ شکنی کی اور مدینے سے دس ہزار قدوسیوں کا لشکر آیا تو مغرور قریش نے اپنے آپ کو اتنا بے بس پایا کہ بغیر ایک ہتیار چلائے اطاعت قبول کرنے ہی میں خیر دیکھی۔ اور آنحضرتؐ نے بھی قریش کو محفوظ رکھ کر مغلوب بنانے کی جو سیاست ملحوظ رکھی تھی اس کے باعث ان کے بیس سالہ مظالم کا جواب اس تاریخی جملے سے دیا کہ "آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

ہم دیکھ چکے ہیں کہ عرب کے بین الممالک کاروبار کا پورا ڈھانچہ قریشی کاروبار کے سنگ زاویہ پر ٹکا ہوا تھا۔ اور جب قریش ایک مرتبہ ہم نوا[1] ہو گئے تو دو ہی سال کے اندر پورا جزیرہ نمائے عرب ایلہ و اذرح سے لے کر عمان تک اور سماوہ سے لے کر معافر تک ایک ہی قبلے کی طرف جھک رہا تھا اور ایک ہی مرکز سے وابستہ ہو چکا تھا۔ اور جب ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جبل الرحمۃ سے آنحضرت صلعم نے اپنے شہرۂ آفاق طویل الوداعی خطبے میں ایک منشور انسانیت پیش کیا کہ عرب کو عجم پر کوئی فضیلت نہیں، سب انسان آدمؑ سے پیدا ہوئے اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے، اور قومیتیں اور قبائل صرف تعارف اور پہچاننے کی علامتیں ہیں ورنہ اصل عزت تو

---

[1] قریش کی ہمنوائی سے قبل جو علاقے مملکت اسلامیہ میں داخل ہوئے تھے، ان کو اس الحاق کی تشویق مختلف وجوہ سے ہوئی۔ چنانچہ اس کے مذہبی و روحانی وجوہ بھی ہیں، سیاسی اور فوجی وجوہ بھی ہیں، اور معاشی وجوہ بھی۔ ایک اہم معاشی وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کی ہر بستی، در ہر میلے اور بازار میں محصول چنگی لیا جاتا اور بیرون عرب جو کاروان عرب لیجاتے، ان سے بھی سخت شرح سے محصول لیا جاتا۔ عہد نبوی میں مختلف قبائل سے مملکت اسلامیہ کے جو معاہدے ہوئے ان میں اکثر میں صراحت سے عشر یعنی اس اندرونی محصول چنگی کی برخاستگی کا ذکر ہے۔ چنگی کے اس اتحاد سے اندرونی لین دین، مال اور تجارت کو غیر معمولی فروغ ہوا۔ اور اس کے برکات نے سیاسی اتحاد کو قریب تر اور مستحکم تر کرنے میں یقیناً بڑا حصہ لیا ہوگا۔ جیسا کہ دیگر ممالک کی تاریخ میں مماثل امور نظر آتے ہیں! اور جس طرح جرمن ملکتوں کی تاریخ میں Zollverein

خدا سے ڈرنے کے مدارج پر مبنی ہے ۔ جب یہ منشور عبدیت و انسانیت نہ صرف پیش کیا گیا بلکہ اس پر کامیاب عمل بھی کر کے دکھا دیا گیا تو پھر نبی عربی صلعم کا کام ختم ہو گیا اور تین ہی ماہ بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے ۔

اس اولین مملکت اسلامیہ کے قیام میں خود جناب رسالت مآب کا جو کردار کارفرما رہا اور اس کے جو سیاسی، جغرافی، تمدنی، تاریخی، اخلاقی، نفسیاتی، وغیرہ وغیرہ عوامل رہے جنہوں نے عربوں کو اس زمانے میں اس انقلاب کے لئے تیار کیا اور اس انقلاب کے لئے مواقع فراہم کئے اور پھر عربوں کے کردار کی قبل اسلام کی صدیوں میں پرورش و پختگی اور عہد اسلام میں اس کی صیقل و جلا کاری وغیرہ وغیرہ یہ بیسیوں مسائل ہیں جو مستقل مقالوں کے محتاج ہیں ۔ آج یہ دکھانے کی کوشش کی گئی کہ کس طرح ایک ملک کا معاشی پس منظر اس کی قسمت سازی میں حصہ لیتا ہے اور کس طرح ایک ادارے کی سب سے بڑی قوت ہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے ۔ اور کس طرح اس کمزوری سے بروقت اور صحیح فائدہ اٹھانا اپنے مقصد کو پورا کراتا ہے اور کس طرح حریف کی صلاحیتوں کو تباہ و تاراج کرنے کی جگہ اس قوت کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا جائے تو دنیا میں وہ کارنامے انجام پاتے ہیں جو معجزہ اور اعجوبہ کہے جاتے ہیں کہ عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ تراج اور طوائف الملوکی کو چھوڑ کر مرکزیت اختیار کرتا ہے اور اس کے بعد کے پندرہ سالوں میں انہیں اصول پر عمل کر کے اس وقت کی دو عالمگیر سلطنتوں کو بیک وقت اپنے حملے کا ہدف بنا کر ۲۵ھ ہجری تک اپنا جھنڈا حضرت سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں مغرب میں شمالی افریقہ سے گزر کر اسپین میں اور مشرق میں ترکستان سے گزر کر چین میں اور جنوب میں خراسان سے گزر کر بھروچ و تھانہ یعنی بمبئی میں اور شمال میں آرمینیا اور ممالک خزر میں پہنچا دیا جاتا ہے ۔

اور یہ انسانیت کی شہنشاہیت Imperialism of Humanity تھی جس میں ہر حاجت مند فرد رعیت کو حکومت روٹی مہیا کرتی اور کسی کی آزادی عمل میں کوئی رکاوٹ ڈالے بغیر اجتماعیت کا مظاہرہ کرتی تھی، جس میں حکومت اور رعایا ایک ہی چیز تھے چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے ظاہر و باطن میں بہی خواہ و معاون تھے۔

یہ چند اشارے ہیں جن سے سوچنے والے دماغ کچھ نہ کچھ غذا سے تفکر پا سکتے ہیں۔

محمد عبداللہ

# ڈاکٹر محمد حمیداللہ

## کی

# کتابیں

۱ ۔ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ (عربی مع تصاویر و نقشہ جات)

۲ ۔ ناطر فواری اسلامی قانون بین الممالک میں (جرمن)

۳ ۔ اسلامی سیاست خارجہ عہدنبوی اور خلافت راشدہ میں (فرانسیسی دو جلدیں)

۴ ۔ اسلامی قانون بین الممالک (انگریزی)

۵ ۔ عہدنبوی کے میدان جنگ (کئی درجن فوٹو اور نقشوں کے ساتھ) (فرانسیسی ۔ نیز اردو)

۶ ۔ رومی اور اسلامی ادارہ غلامی (اردو)

۷ ۔ قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں (اردو)

۸ ۔ نیلگری (اردو)

۹ ۔ امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی (اردو)

# تحقیقی مقالے

۱ ۔ شہری مملکت مکہ

۲ ۔ قرآنی تصور مملکت

۳ ۔ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت (عہد نبوی کی اہم دستاویز)

۴ ۔ عہدنبوی کا نظام تعلیم

۵ ۔ عدل گستری ابتدائے اسلام میں

۶ ۔ عہد نبوی کی سیاست کاری کے اصول

۷ ۔ ہجرت یا نوآبادکاری ابتدائے اسلام میں

۸ ۔ تجارت کا تعلق آنحضرت اور خلفائے راشدین سے

۹ ۔ جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر

۱۰ ۔ عربوں اور بیز نطینیوں کے تعلقات

۱۱ ۔ آنحضرت کا خط قیصر روم کے نام

۱۲ ۔ مکتوبات نبوی کے دو اصول

۱۳ ۔ عربی حبشی تعلقات زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں

۱۴ ۔ نو دستیاب شدہ مکتوب نبوی بنام نجاشی (مع فوٹو)

۱۵ ۔ عہدنبوی کے عربی ایرانی تعلقات

۱۶ ۔ مدینہ منورہ کے ابتدائے اسلام کے چند عربی کتبے (انگریزی باتصویر)

۱۷ ۔ قانون بین الممالک کی تازہ ترقیاں

۱۸ ۔ انجمن ہائے قرضہ حسنہ کی اہمیت اور ان کی موجودہ حالت حیدرآباد میں

۱۹ ۔ یورپ کے کتب خانوں میں اسلامی مخطوطے (انگریزی)

۲۰ ۔ آبادی

۲۱ ۔ اردو اعراب

ملنے کا پتہ ۔ حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن